علامہ مشرقی بہت عظیم الشان وجود تھا

ابو لاثر حفیظ جالندھری

خالق قومی ترانہ پاکستان

حضرت علامہ مشرقی ! خدا انہیں غریق رحمت کرے!!

موت نے یہ قلعہ مضبوط بھی سر کر لیا۔ یہ قلعہ ایک عظیم فہیم وجود علم و فضل و کمالات کا مجموعہ، گفتار و کردار کی ہم آہنگی کا ایک پیکر برسر کار و برسر پیکار تھا۔ یہ قلعہ بھی ہمارے دور میں خاص الخاص طرز کے مضبوط ترین قلعوں میں اپنی مثال آپ تھا۔

اس دارالحرب میں جس کا نام نیم براعظم ہند ہے جس میں آج ایک طرف باطل اور دوسری طرف حق سارے عالم کے روبرو نکھر کر آمنے سامنے کھڑے ہیں۔

یہ قلعہ اہل حق جان بازوں کی غیرت کی پرورش گاہ تھا۔ اس حق نیوش نے اپنا فرض اپنے ہی انداز سے ادا کرتے ہوئے بیرونی و اندرونی مخالفت کی آندھیوں، طوفانوں کے مقابل اپنی بات پر ثبات کا دم بھرتے ہوئے ملت کے لئے سر فروشوں کی ایک مخلص ترین جماعت مہیا کر دی اور وہ کام کیا جو ہمارے دور میں بے مثال ہے۔

غنیم مرگ کے ہاتھوں آج یہ قلعہ منہدم نظر آرہا ہے۔ لیکن یہ انہدام مادی وجسمانی وجود کا ہے یہ تو قلعہ کی دیواریں تھیں جو دست قضا نے توڑ ڈالی ہیں۔ صورت نظروں سے اوجھل ہوئی ہے۔ معنی موجود ہیں اورےہ معنی وہ مجاہد ہیں جو اس قلعہ کے قلعہ دار نے غیرت اسلامی کی بنیادوں پرسرفراز کئے ہیں یہ خود ملت اسلامیہ کے مضبوط قلعے ہیں یہ سب ایک ملت واحدہ کے لئے سینہ سپر ہونے کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔

اس مرد جرار علامہ مشرقی کے طریق کار سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن مقصد کار وہی ہے جو ہر اسلامی سپہ سالار کا ہونا چاہیئے۔

علامہ مشرقی کے علم و کمالات کی گونا گونی اور بوقلمونی پر اہل نظر و فکر مجھ سے بہتر روشنی ڈال رہے ہیں میں تومحض یہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے ان کو

قدرے قریب سے دیکھا تھا۔ مرحوم نے بارہا برسر راہ ٹوک کر مجھے مخاطب کرنے کا شرف بھی بخشا۔ ہاں برسر راہ کیوں کہ وہ بھی اکثر اپنی عظیم شخصیت کے باوجود لاہو ر کی سڑکو ں پر مجھ جیسے حقیقت ازلی پیادے ہی کی مانند با پیادہ چلتے پھرتے تھے۔ ان کی سپاہیانہ وردی، ان کی قائد انہ بے تصنع شاندا ر اور وضع دار اور غریبانہ رفتار آج بھی میرے تصور میں ہے ایک کوہ پر شکوہ جو ساری دنیا کو سدھار نے کے افکار و مہمات اپنے اندر سمائے ہوئے زمین کی چھاتی پر رواں دوا ں نظر آیا کرتا تھا۔

محض شاعر اور سیاسی و معاشرتی آویزشوں سے الگ تھلگ محض شعر و شاعری کے تاثر سے روحوں کو گرمانے والا گردان کرعلامہ صاحب بے تکلفانہ مجھے پکار لیتے تھے اور میں خود سلام کرتا تو کلام سے محروم نہ رکھتے تھے۔ بعض اوقات ان کے ساتھ چند پیروان کار بھی ہوتے تھے لیکن اکثر علامہ صاحب تنہا دکھائی دیتے تھے۔

مجھ ازلی خاکسار سے ان کی گفتگو خاکساری پر کبھی نہیں ہوتی تھی۔ محض شکایات ارباب نشاط دورانحطاط اوربس یا حاصل کلام یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ ہمیشہ جو کام میں بھی کررہا ہوں اس پر مجھے حوصلہ بخشتے اور مجھے میری راہ پر چھوڑنے سے پہلے میرے ہی اک جاہلانہ ترانے کا بند مجھے سنا دیتے۔ میں نے کسی زمانے میں لکھا تھا کہ:

تجھے سمجھتے ہیں اہل دنیا، خراب خستہ ذلیل رسوا

نہیں عیاں ان پہ حال تیر ا، کوئی نہیں ہم خےال تیرا

کسی کی پروا نہ کر پئے جا

لیکن علامہ مشرقی میرے”پئے“کو نکال کر باہر کر دیتے اور اس کی جگہ اپنا ”جئے جا“ رکھ دیتے۔

کسی کی پروا نہ کجئے جا علامہ مجھے جب بھی مخاطب کرتے”اوحفیظ صاحب“ کہتے۔ حالانکہ وہ امرتسری تھے لیکن میرے لئے پشاوری لہجہ اختیار فرماتے تھے۔ ملاقات کا یہ سرسری شرف جو سرراہ گاہے گاہے اچھرہ کے اڈہ پر یا لاہور کے میو ہسپتال سے نیلے گنبد تک لانے والی سڑک پر ہوتا تھا، رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا، کیوں کہ میں لاہور سے دور دور اور ہی اور مقامات پر خجل خوار رہتا ہوں۔

تاہم چند سال پہلے میں نے ان کو جس رنگ میں دیکھا میرے نزدیک وہ رنگ مجذبانہ تھا مجھے معلوم نہیں کہ کسی اور نے محسوس کیا ہے یا نہیں لیکن اگر میں غلط نہیں کہتا تو گاہے گاہے برسرراہ سلام کلام کے دوران میں نے ان کو قدرے جذب کے عالم میں پایا۔

"اوحفیظ صاحب!" مجھے پکار کر ٹھہرا کراب وہ اپنے اشعار سنانا شروع فرما دیتے تھے اور مجھے واقعی اپنی عزت افزائی کا احساس ہوتا تھا ۔ وہ بے اسرار سناتے چلے جاتے تھے۔ میں چونکہ ان کو شعر و شاعری کی دنیا سے بہت بلند مقام پر دیکھنے کا عادی تھا۔ مجھے ان کو محض شعر کی صورت میں اپنے مقاصد کا اظہار فرماتے دیکھ کر اک گونہ تاسف ہوتا تھا، کیونکہ شعر کے لئے سربگریباں رہنا لازمی شرط ہے اور مرد کار و پیکار کو سربگریباں ہونے کی فرصت کہاں!

آہ! ان کے اشعار بھی ان کی روح مجروح کے تاثرات تھے مجھے علامہ مشرقی ؒکے اشعارسننے کے بعد پھران سے مصافحہ کے بعد اپنی راہ لیتے ہوئے ہمیشہ حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آ جاتا اور میری آنکھیں پرنم ہوجاتیں۔

اگر کج رو ہیں انجم، آسماں تیرا ہے یا میرا

مجھے فکر جہاں کیوں ہو؟، جہاں تیرا ہے یا میرا

آہ! یہ شعر، اس شعر پر کس نے غور کیا ہو گا۔ اقبال کوسمجھ لینے کا دعویٰ کرنے والوں میں سے اس شعر پر کون رویا ہو گا؟ ہاں کسی کے لئے اس شعرمیں رونے کی کون سی بات ہے؟ شعر کو محض لذت ذہنی سے زیادہ اہمیت نہ دینے والوں اورچٹخارہ لے کر واہ واہ پر بات ختم کر دینے والوں کو اس میں ایسی کوئی بات کیو ں دکھائی دے کہ وہ رو دیں!

بیچارے ہماشمانہ سہی۔ کاش علامہ اقبال کے کلام پر نقد و نظر کے استا د بھی سینکڑوں سفید صفحے کالے کرتے ہوئے اس شعر میں شاید ایسی کوئی بات بھی پاتے کہ اس کا خاص طور پر تذکرہ فرماتے!

شاید مجھ ایسے ہی چند بیچارے لوگ ہیں جو اقبال کے اشعار میں اس تڑپ کو بھی دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہی نہیں بلکہ اپنی روح کو بھی اس سوز سے گرماتے رہنے کے طالب ہیں جس سوز سے یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے، وہی چند بیچارے۔ اقبالؒ کے اس

شعر کے پردے میں ایک ایسا عالم پاتے ہیں جس کی جھلک آنسوؤں کا منہ برسا دیتی ہے تصور میں خیال کیجئے اس عظیم حکیم کا جو یہ کہتا ہے:

گفتند جہان ما آیا بہ تومی سازو

گفتم کہ نہ می سازو گفتند کہ برہم زن

اقبال، ملت کا یہ عظیم حکیم لفظ کی صورت گری سے ہی نہیں بلکہ معنی سے قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اقبال کا تصور کرو جو اپنے آنسو دلوں کی زمین میں بوتا ہے اور ایسے ستارے اگانے کے لئے سینہ کاری میں لگا رہتا ہے ایسے انسانی ستارے جو کجروی اور تفرقے کے مارے ہوئے انسانی ستاروں کے ٹکرانے سے جو حشر برپا ہے اس سے بھی بے نیاز نہیں ان سب کو راہ پر لانے کے لئے کوشاں ہے۔ ہاں اقبال جس کی نظر میں انسانیت فقط اس صراط مستقیم پر چلنے کا نام ہے جو قرآن کریم کی ہدایات پر انسانوں کو اقطار السمٰوات سے بھی آگے لے جانے کے لئے انسان کامل نے انسانوں کو بتائی ہے اگر آپ اس معنی میں صداقت کو ملحوظ رکھتے ہیں تو یہ تصور بھی کریں کہ اقبال جو رات دن اقطار السمٰواتسے بھی زیادہ روشنی حاصل کرنے کے انسانی ستاروں کی چشم بصیرت کھولنے کی فکر میں ساری زندگی گزار دیتا ہے۔

اقبال جوحوصلہ اور عزم وہمت کاپیامی ہے خود بھی انسان ہے۔ اس پرایک گھڑی ایسی بھی آتی ہے کہ۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت

جب اسے ہم لوگ یعنی انسان جو کہ کائنات حیات کے اصل ستارے ہیں اپنی کج روی سے باز آتے نظر نہیں آتے تو اپنی ہمت و کوشش اورحوصلہ کے باوجود پکار اٹھتا ہے کہ: یااللہ

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا

پھرمجھے فکرجہاں کیوں ہو؟

مجھے یہ شعرآج کل اکثر یاد آتا ہے اور جلال الدین خوارزم شاہ، اورنگزیب عالمگیر،حافظ رحمت خان روہیلہ، شہید سلطان ٹیپو، حضرت سید احمد بریلوی، حضرت اسماعیل شہید، حالی، سر سید احمد خان، شیخ الفاضل محمدعلی جوہر،

حکیم اجمل خان اور قائداعظم پھر خود حکیم الامت کے تصورات مجھے گھیر لیتے ہیں اورمیں کہہ اٹھتا ہوں ۔

اللہ اللہ کیا ہوا انجام کار آرزو!

توبہ توبہ کس قدر ہنگامہ آرائی ہوئی!

یہ سب عالی حوصلہ مردان مومن انسانی ستاروں کی کجروی کے اسباب و علل دور کرنے کے لئے کفن بردوش رہنے والے تھے اور ہم جن کو وہ برسرافلاک پہنچانا چاہتے ہیں کہاں ہیں؟

ہرچند کہو کہ میں--نہیں ہیں۔

لہٰذا جب میں علامہ مشرقی کو ان کی جدوجہد کے دوران شعر میں اپنے جذبہ کو بھرنے کے لئے سربگریبان رہنے کا خیال اپنے سر میں پاتا تو مجھے آنسوؤں کے ساتھ اقبال کا مذکورہ بالا شعر یاد آ جاتا تھا اور وہ عالم بھی جب انسان خد ا کے سوا اور کچھ بھی یاد نہیں رکھ سکتا۔ شکر بھی اسی کا کرتا ہے اور شکوہ بھی اسی سے! علامہ مشرقی نے جس دور میں ہمارے لئے قدم اٹھایا، یہ تاریخی دور ایسے مرحلے پر تھا کہ نظم و ضبط والے سرفروشوں کو مثالی طور پر ایک وحدت میں لا کر دوسروں کے لئے مثال قائم کرنا محال سمجھا جا رہا تھا۔ علامہ ؒ صاحب نے اس محال کے لفظ کو محوکر دے!!

میں نے ان مجاہدوں کو لاہور کے گلی کوچے میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے اور وحدت کا دم بھرتے ہوئے۱۹۴۰ء میں سر کٹاتے، گولیاں کھاتے مگر ثبات قدم کے ساتھ اپنے ہی خون سے سرخروعالم آخرت کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ آسماں پرواز یہ مجاہد خاکسار کہلاتے تھے وہ کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے وہ محض حق پرچم کرکھڑے ہوکر دشمنان اسلام کو صبر و ثبات کا اسلامی جوہر دکھاتے تھے۔

خیریہ داستان خونچکاں میرے نظمیہ رزمیہ میں آرہی ہے ے ہاں فقط علامہ مشرقیؒکی روح کا اثر و نفوذ دکھانا ہی میرا مقصود ہے۔ علامہ مشرقیؒ مجھ عاجزکی نظرمیں بہت عظیم الشان وجود تھا۔ وہ قائل تھا فقط اسلام ہی کی بادشاہی کا

دیا اس نے ہمےں ایک درس افرمان الہٰی کا

نظرڈالی نہ تھی اس نے کبھی اسباب زینت پر

خدا رحمت کرے اس پاک باطن پاک طنیت پر

”میرے پاس خدا کی جناب سے قناعت کے بڑے خزانے ہیں اور وہ زیادہ اس لئے ہیں کہ میں دوسرے مسلمانوں کی عادت کے خلاف چار آنے خرچ نہیں کرتا جب تک کہ چھ آنے میری جیب میں نہ ہوں۔ اپنی چادر سے باہر تمام عمر کبھی پاؤں نہ پھیلائے یا کبھی کوئی بدمعاشی نہیں کی، اک پسہ بچانے کے لئے ایک میل کا پیدل سفر بھی کر لیتا ہوں۔ وقت پر اپنی روٹی آپ پکا لیتا ہوں۔ اپنا جوتا خود گانٹھ لیتا ہوں کپڑے کو آپ پیوند لگاتا ہوں۔ اس لئے جزرس، کفایت شعار بلکہ کنجوس مشہور ہوں۔ لیکن الحمد اللہ کہ آج تک کسی کا محتاج نہیں ہوا، کسی سے قرض نہیں لیا، کسی کا اپنے ذمے نہیں رکھا، اپنے ناخنوں کی کمائی کے بغیرکسی کا کچھ نہیں کھایا“۔

(علامہ عنایت اللہ خان المشرقی *۲۳نومبر۱۹۳۴)

علامہ مشرقی کے یہ الفاظ میرے سینے کو تڑپا دیتے ہیں۔

(بشکریہ:روزنامہ”جنگ“،راولپنڈی*یکم ستمبر۱۹۶۳)